بنی نوع انسان کی تربیت صرف رسول اللہ ﷺ کے تابع ہو کر ہی کی جا سکتی ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 13 / دسمبر 1996ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ (آل عمران: 133 تا 135)

پھر فرمایا:

گزشتہ خطبہ میں مَیں نے آئندہ نسلوں کی تربیت کی طرف توجہ دلائی تھی جن کا اس دور کی نسل کی تربیت سے گہرا تعلق ہے۔ اگر موجودہ دور کی نسل کی صحیح تربیت نہ ہو تو آئندہ بھی کسی دور کی تربیت نہیں ہو سکتی اور اگر اپنی نسل کی تربیت نہ ہو تو اپنے گردو پیش اور ماحول کی تربیت بھی نہیں ہو سکتی اور اگر اپنے بیوی بچوں سے سلوک ظالمانہ ہو اور شقی القلب لوگ حقوق تلف کر رہے ہوں اپنے گھر والوں کے اور تربیت کے تعلق میں سخت گیری کو پسند کریں تو نہ وہ اپنے گھر والوں کی تربیت کر سکتے ہیں نہ اپنے ماحول کی تربیت کر سکتے ہیں بلکہ اس کے برعکس خوفناک ردعمل پیدا ہو سکتے ہیں جو آئندہ

تربیت سے محرومی کے علاوہ یعنی مثبت پہلوؤں سے محرومی کے علاوہ خطرناک منفی پہلو نسلوں میں جاری کر سکتے ہیں۔

یہ خلاصہ ہے اس خطبہ کا جو میں نے گزشتہ مرتبہ دیا اور اسی حوالے سے اب میں اس مضمون کو پھیلانا چاہتا ہوں کیونکہ ہمارا کام محض اپنے بچوں کی تربیت کرنا نہیں، اپنی بیوی کی تربیت کرنا نہیں، اپنی بیوی اور بچوں سے حسن سلوک سے پیش آنا نہیں، بلکہ یہاں گھر میں جو کام ہم کریں گے اور سیکھیں گے، ان کو پھر ہم نے دنیا میں اپنے گردوپیش پھیلانا ہے اور اسی پہلو سے آئندہ بنی نوع انسان کی تربیت کی بنیادیں ڈالنی ہیں۔ مگر بنیادیں تو آج ڈالی جائیں گی، تو کل عمارت تعمیر ہوگی۔ آج بنیادیں ہی نہ ڈالی جائیں، تو کل کی عمارت کی کیسے توقع کی جاسکتی ہے۔ پس اس پہلو سے جس کا تعلق بہت حد تک ہماری جو خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ دعوت الی اللہ کی کوششیں ہیں، ان سے ہے اور یہ دونوں مضامین ایک دوسرے کے ساتھ یوں بندھے ہوئے ہیں کہ گویا لازم وملزوم ہیں۔ ایک کا تعلق دوسرے سے توڑا نہیں جاسکتا۔ کوئی داعی الی اللہ ان اہم امور سے غافل رہتے ہوئے، اپنی دعوت میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

پس اس تعلق میں زیادہ وسیع تر مضمون پر مشتمل آیات کا انتخاب کیا ہے، جس کا عنوان یہ باندھا گیا ہے۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ اکثر اللہ کی اطاعت اور رسولؐ کی اطاعت کا تعلق تقویٰ سے باندھا گیا ہے، فلاح سے باندھا گیا ہے، دین و دنیا کی کامیابیوں سے باندھا گیا ہے۔ اب اس آیت پر غور کرنے سے یا ان آیات کے باہمی ربط پر غور کرنے سے یہ بات کھلتی ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت بھی کسی دوسری آیت سے بے وجہ جڑی ہوئی نہیں ہے بلکہ گہری حکمتیں ہیں جو مختلف آیات کو آپس میں باندھتی ہیں اور ہر نتیجہ جو آیت نکالتی ہے اس نتیجہ کا اسی آیت سے ہی نہیں بلکہ آئندہ آنے والی آیت کے مضمون سے تعلق ہوتا ہے۔

پس چونکہ رحم کی تعلیم دینی تھی اس لئے اس کا عنوان یہ باندھا وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر پھر رحم کیا جائے اور اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے نتیجہ میں رحم کس نوع کا رحم ہے، اس کی وسعتیں کیا ہیں، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ کہ اس جنت کی طرف دوڑو جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے اور وہ اس اللہ اور رسولؐ کی اطاعت سے وابستہ ہے جو رحمۃ للعالمین کے مضمون اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اللہ کی رحمت جو تمام عالمین پر پھیلی ہوئی ہے اس رحمت نے محمد رسول اللہ ﷺ پیدا فرمائے جن کی رحمت تمام جہانوں پر پھیلا دی اور ان کی اطاعت سب سے زیادہ اللہ کے رحم کو جذب کرنے والی ہے۔ اگر ان کی اطاعت کرو گے یعنی اللہ اور رسولؐ کی تو ان کی رحمانیت سے حصہ پاؤ گے اور اگر اطاعت سے منہ موڑو گے تو اسی حد تک تم رحم سے محروم کئے جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے محروم کئے جاؤ گے۔

پس سَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ جَنَّۃٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ میں جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ اس رحمت سے جو اپنی بیویوں سے، اپنی ازواج سے، اپنے بچوں سے کی جاتی ہے اس کے مقابل پر بہت وسیع تر ہے اور ان دونوں آیات کا ایک بہت ہی گہرا تعلق یہ بھی ہے کہ ہم تو اپنے بچوں کی پرورش کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں مگر آنحضرت ﷺ تمام بنی نوع انسان کی پرورش کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں اور آپؐ کے متعلق خدا تعالیٰ کا یہ فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ آپؐ نے کسی پہلو سے بھی اس پرورش میں کوتاہی نہیں کی۔ ہم جو چھوٹے چھوٹے دائروں میں پرورش کے ذمہ دار بنائے گئے اگر ہم ان دائروں میں ناکام ہو جائیں تو کتنا بڑا گناہ ہے اور کتنی بڑی محرومی ہے کیونکہ ہماری تو تھوڑی سی پہنچ جہاں تک بھی ہے اسی نسبت سے ہماری ذمہ داریاں قائم فرمائی گئی ہیں۔ کسی کا گھر چھوٹا ہے تو اس چھوٹے گھر کی ذمہ داری اس پر ہے کسی کا گھر بڑا ہے تو بڑے گھر کی۔ کوئی امیر ہے تو اس امارت کے حوالے اور اس کی نسبت سے انسان کی اپنے گردوپیش ذمہ داریاں قائم ہوتی ہیں، غریب کی اسی نسبت سے قائم ہوتی ہیں۔ مگر آنحضرت ﷺ کی رحمت اگر سارے جہانوں پر محیط ہے تو اسی پہلو سے آپؐ کا حساب کتاب سارے جہانوں کے تعلق سے لیا جانا تھا اور اس تعلق میں خدا تعالیٰ اس آیت کے ذریعہ آپؐ کو کلیۃً بری الذمہ قرار دیتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو یہ عنوان باندھا نہیں جا سکتا تھا۔ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ اگر آنحضرت ﷺ نے رحمت کے تمام تقاضوں کو پورا نہ کر دیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ ان کی پیروی کرو گے تو تم پر خدا کی رحمت کے تمام تقاضے جو خدا کی رحمت سے تمہارے وابستہ ہیں وہ پورے کر دیئے جائیں گے۔ پس یہ آنحضرت ﷺ کی کامیاب رسالتؐ اور کامل رسالتؐ کی طرف ایک گواہ آیت ہے جس

نے رحمت کا واقعۃً حق ادا کر دیا۔ جب کر دیا تو اطاعت کرو گے تو تم رحمت سے حصہ پاؤ گے۔ اطاعت نہیں کرو گے تو اسی حد تک رحمت سے محروم کر دیئے جاؤ گے اور جب کرو گے تو پھر کوئی اس کی انتہا نہیں ہے رحمت کی عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ساری کائنات پر جو جنت وسیع ہے وہ جنت تمہارا انعام ہوگی۔

پس اس دنیا کی زندگی میں آنحضرت ﷺ کی رحمت کو آگے دنیا میں جاری کرنے کے لئے اگر ہم ذریعہ بن جائیں تو یہ ہے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ کا معنی اس تعلق میں، یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ کی رحمت براہ راست خدا تعالیٰ کی طرف سے کئی صورتوں میں نازل ہوتی ہے جو رحمانیت کی جلوہ گری ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کے کوثر سے یہ رحمت تو تب ہی جاری ہوگی اگر ہم پیالے بھر بھر کے آگے لوگوں کو پلائیں گے اور یہ پلانے والے ہیں جو دراصل اس اطاعت کا حق ادا کرنے والے ہیں۔ پس اطاعت کے مضامین بہت سے ہیں اور مختلف قسموں میں پھیلے پڑے ہیں مگر جہاں عنوان لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ باندھا گیا یہاں اطاعت بہ تعلق رحمت ہے اور اطاعت بہ تعلق رحمت اسی طرح ہوگی کہ اگر ہم آنحضرت ﷺ کے کوثر سے تمام دنیا کو رحمت کے پیالے بھر بھر کے سیراب کرنے کی کوشش کریں۔ پس دیکھئے وہ مضمون جو گھر کی چاردیواری سے شروع ہوا تھا اب رسول اللہ ﷺ کے تعلق میں آ کر کس طرح اچھل کر صرف شہروں کی حدوں سے ہی نہیں نکلا بلکہ تمام دنیا پہ محیط ہو گیا ہے تمام بنی نوع انسان سے تعلق رکھنے لگا ہے اس لئے اس کی غیر معمولی اہمیت ہے اور تقویٰ تو لازماً ہر چیز میں، ہر فعل میں مضمر ہے۔

اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ کہہ کر یہ واضح کر دیا گیا کہ رحم دراصل متقیوں پر ہی کیا جائے گا اور رحمت سے حصہ پانا متقیوں کا ہی نصیب ہے تو یہ سارے مضامین آپس میں لپیٹ کر گویا ایک گلدستہ کی صورت میں اکٹھے کر دیئے گئے۔ اب اس کی تفصیل کیا ہے۔ چونکہ اطاعت کا تعلق رحمت سے تھا اس لئے اس رحمت کی تفصیل اب تیسری آیت میں مذکور ہے۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ یہ رحمت مادی بھی ہے اور مادی رحمت بھی وہ رنگ رکھتی ہے جو آنحضرت ﷺ کی رحمت کے رنگ تھے يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وہ نہایت خوشحالی کی حالت میں بھی خرچ کرتے ہیں اور تنگ دستی کی حالت میں بھی خرچ کرتے ہیں۔

اب آنحضرت ﷺ کو یہ دو دور نصیب ہوئے اور ساری زندگی ہوتے رہے اور پھر بھی آپؐ کے خرچ میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں آئی اور سرّ اء میں خرچ کرنا لوگ سمجھتے ہیں آسان ہے حالانکہ یہ بہت سادگی ہے انسان کی۔ وہی سمجھ سکتا ہے آسان ہے جو انسانی فطرت کے رازوں سے واقف نہیں ہے۔ انسانی فطرت میں جو حرص رکھ دی گئی ہے اس حرص کے نتیجے میں بسا اوقات دولت بڑھنے سے کنجوسی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ جتنی دولت بڑھتی ہے اتنا ہی انسان خسیس ہوتا چلا جاتا ہے اور روز مرّہ کے معمولی معمولی اخراجات جو غریبوں کی حالت سدھار سکتے ہیں ان سے بھی غافل ہو جاتا ہے اور اپنی خودغرضی کا ایک قلعہ تعمیر کرتا ہے جس کے اندر وہ سمٹ کے باقی دنیا سے الگ ہو جاتا ہے۔ تو اس لئے سرّ اء کے اوپر انسان یہ تعجب کرے کہ خوشحال تو خرچ کر ہی دیتے ہیں یہ غلط ہے۔

جو مومن خوشحال ہیں، ان کی زندگی پر نہ خوش حالی فرق ڈالتی ہے نہ تنگی فرق ڈالتی ہے۔ جو اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ کا حق ادا کرنے والے ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی طرح مادی قربانیوں میں بھی رحمت کا مظہر اس طرح بنتے ہیں کہ اگر ان کو کم ملا ہو تو پھر بھی اس سے وہ اپنے بھائی کی تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ بلندی سے پانی نیچے کی طرف بہتا ہے ہر انسان جو تنگ دست ہے، بسا اوقات اس سے بھی تنگ دست دنیا میں ہوتے ہیں۔ اگر وہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا سچا غلام ہے تو اس کو نظر رکھنی چاہئے اور اپنے سے تنگ ہاتھ والوں کو، زیادہ محتاجوں کو تلاش کر کے ان کی جستجو میں رہتے ہوئے ان پر خرچ کرے۔ لیکن صرف یہی نہیں بلکہ بعض دفعہ انسان اپنے نفس کی وجہ سے زیادہ تنگ دست ہو جاتا ہے اور ایک شخص اپنے نفس کی وجہ سے غنی رہتا ہے تو حضور اکرم ﷺ کے تعلق میں یہ بہترین معنی ہے جو صادق آئے گا کیونکہ ہر شخص کی اپنی کیفیت ہے اس کی نسبت سے، اس پر معنی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا تنگ دستی میں خرچ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ آپؐ کو جب اپنے سے غریب تر ملتا تھا تو اس پر ہی صرف کرتے تھے بلکہ تنگ دستی میں آپؐ کو غنٰی نصیب تھا اور تنگ دستی میں غنٰی جو ہے وہ انسان کو امیر کر دیتا ہے۔

”الغنٰی غنی النفس“

(صحیح بخاری ، کتاب الرقاق، باب الغنی غنی النفس)

امیری تو وہ ہے جو نفس کی امیری ہو۔ پس آنحضرت ﷺ اپنے سے زیادہ خوش حال لوگوں کی ضرورتیں پوری فرماتے تھے جب کہ خود بھی تنگ دستی ہو۔ یہ وہ عظمت کردار ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے مرتبہ کو تمام عالمین پر محیط کر دیتی ہے اور ان سے بالا کر دیتی ہے۔ وہ شخص جو عام قانون کے برعکس حرکت کرتا ہے، پانی نیچے کی طرف بہتا ہے یہ اوپر کی طرف فوارے کی طرح پھوٹتا ہے اور بلندیوں کو بھی سیراب کر جاتا ہے۔ وہ سیرت محمد مصطفی ﷺ کا بیان ہے ان آیات میں، جن کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ آپؐ ہی ہیں جو سرآء اور ضرآء میں خرچ کرتے ہیں ورنہ یہ حوالہ کیوں ہوتا۔ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ تو حضور اکرم ﷺ کی سیرت ہی کا نقشہ ان آیات میں کھینچا گیا ہے اور اسی کی طرف بنی نوع انسان کو بلایا گیا ہے۔

پس جماعت احمدیہ جس نے خدا کے حکم کے ساتھ تمام دنیا کے اخلاق کو درست کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اس کے لئے اس کے سوا راہ ہی کوئی نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سیرت کی غلامی اختیار کرے اور یہی غلامی ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ توفیق بخشے گی کہ اپنے سے اونچوں کی بھی وہ تربیت کریں گے اور اپنے سے نیچوں کی بھی تربیت کریں گے کیونکہ جب وہ سرآء کی حالت میں ہوں گے تو پھر تو طبعی طور پر ان کی طرف سے پانی نیچے بہنا چاہئے مگر وہ جو فطرت کی خساست کی روکیں ہیں وہ ان کی راہ نہیں روکیں گی۔ پس ان کا پانی اوپر سے بھی نیچے بہتا ہے، نیچے سے بھی اوپر بہتا ہے۔ یہ رحمت محمد مصطفی ﷺ کا نقشہ ہے جو ان آیات میں وضاحت کے ساتھ کھینچا گیا ہے۔

اور پھر اس مضمون کو خدا تعالیٰ آگے بڑھاتا ہے۔ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ اپنے غیظ کو وہ پی جاتے ہیں کیونکہ سختی اور مسلسل شفقت اکٹھے نہیں چلا کرتے اور اس کا تعلق ضرآء سے بھی ہے کیونکہ ان کا جو رحم ہے وہ ان کی طرف بھی جاری ہوتا ہے جو ان کو غیظ دلاتے ہیں۔ پس یہ مضمون ایک نئے دائرے میں پھیل گیا ہے۔ وہ شفقتوں اور رحمتوں کے اس مضمون سے اب یہ تعلق رکھتا ہے جو عام انسانی اخلاق سے وابستہ ہیں اور ان کا صرف مالی قربانی سے تعلق نہیں ہے اب یہ اخلاقی مضمون بن گیا ہے۔ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ جب ان کو کوئی نقصان پہنچاتا ہے اور غصے کا حق دیتا ہے، اس کا جواز دیتا ہے اس وقت اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ اپنے غصے کو روک لیتے ہیں اور ان لوگوں سے حسن سلوک سے رکتے نہیں جن سے حسن سلوک ان کے

لئے رحمت کا موجب بن سکتا ہے۔

اب یہ جو حصہ میں نے داخل کیا ہے ’’ان لوگوں سے حسن سلوک سے رکتے نہیں جن کے لئے ان کا حسن سلوک رحمت کا موجب بن سکتا ہے‘‘ اس نے اس مضمون میں ایک ایسی وسعت بخشی ہے، اس بات نے جو دراصل حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی سیرت سے تعلق رکھنے والی بات ہے اور قرآن نے خود یہی تعریف فرمائی ہے اور اس خطبہ کے آخر پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے میں آپ کو بتاؤں گا کہ یہ مضمون اس میں داخل ہے۔ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ اس موقع پر بنتے ہیں جہاں غصے کا ضبط کرنا اس شخص کے لئے فائدہ مند ہے جس کے مقابل پر غصے کو ضبط کیا جا رہا ہے۔ جہاں اس کے لئے نقصان دہ ہے وہاں غصے کو ضبط نہیں کرتے۔

وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ میں عفو کا وہی مضمون ہے جو میں پہلے خطبہ میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں اس کا مطلب صرف بخشنا نہیں جیسا کہ عام طور پر ترجمہ میں کر دیا جاتا ہے، کَاظِمِیْنَ سے تعلق ہے اس کا۔ کَاظِمِیْنَ میں غصہ ضبط کیا جاتا ہے جبکہ وہ شدت کے ساتھ پھوٹ پڑنے پر تیار ہو اور عفو اس سے پہلے کا مضمون ہے کہ وہ عام طور پر لوگوں سے درگزر بھی کرتے ہیں۔ اب ان دونوں کا بہت گہرا تعلق ہے کیونکہ ایک انسان میں بیک وقت ان دونوں باتوں کا ہونا ممکن ہے مگر ایک دوسرے سے الگ نہیں کی جا سکتی۔ بیک وقت ہونا تو ممکن ہے کیونکہ وہ لوگ جو عَافِیْنَ کے عادی نہ ہوں وہ کَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ ہو ہی نہیں سکتے، ناممکن ہے۔ روزمرّہ کی زندگی میں جو چھوٹے بہت قصور ہوتے رہتے ہیں ان سے اگر انسان نظریں نہ پھیر سکے اور اس کے برعکس مین میخ نکالنے کا عادی ہو، وہ لوگوں کے قصوروں کی تلاش میں رہے ایسے لوگ ہمیشہ اپنی زندگی کو برباد کرتے رہتے ہیں، لوگوں کے لئے رحمت کا موجب بننے کی بجائے ان کے لئے ایک عذاب کا موجب بنے رہتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اصلاح کی خاطر یہ کر رہے ہیں مگر اصلاح کا حق خدا نے صرف محمد رسول اللہ ﷺ کو اس سیرت کے ساتھ دیا ہے جو اللہ نے آپؐ کو عطا کی ہے اور اس سیرت سے ہٹنے کے بعد کسی کو کوئی اصلاح کا حق نہیں رہتا، اصلاح کی مقدرت نہیں رہتی، توفیق ہی نکل جاتی ہے ہاتھ سے۔

پس یہ وہ صورت حال ہے جس کو آپ کو سمجھنا چاہئے گہری نظر سے کیونکہ ان اخلاق کو اپنانے کے لئے جب تک ان کی معرفت نہ ہو، ان کی گہرائیوں سے انسان واقف نہ ہو، تفاصیل پیش نظر نہ ہوں تو

ان چیزوں کو اپنی ذات میں جاری کرنا آسان نہیں ہوا کرتا، پس عَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ آنحضرتﷺ کا ایک طبعی فطری اظہار تھا جس میں کسی بناوٹ کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ فطری اظہار جو خودرو اظہار کی طرح ہوتا ہے اور اس میں کسی بناوٹ کی کوشش کی ضرورت نہیں پڑتی۔ رسول اللہﷺ عَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ طبعاً تھے لیکن کَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ کے لئے کوشش کی ضرورت ہے اور جدو جہد کی ضرورت ہے اور وہ اسی کو نصیب ہو سکتی ہے جو عفو کا عادی ہو۔

پس عفو سے مراد ان روزمرّہ کی باتوں میں، ان قصوروں میں نظر ہٹالینا ہے جن قصوروں سے کوئی بھی انسان حقیقت میں آزاد نہیں سوائے اس کے کہ اللہ کی اس پہ خاص رحمت ہو۔ تو ان کا مزاج یہ نہیں ہوتا کہ سوسائٹی میں لوگوں کے قصوروں کی تلاش کرتے رہتے ہیں، اس نے تو یہ کر دیا، اس نے تو وہ کر دیا، جو قصور ان کے سامنے خود ابھر آتے ہیں ان سے بھی نظر پھیرتے ہیں۔ اب یہ وَ لَا تَجَسَّسُوْا والے مضمون کی ایک اعلیٰ صورت بیان فرمائی گئی ہے۔ عفو تجسس کے برعکس مضمون ہے۔ تجسس کا مطلب ہے تلاش کر کے معلوم کر و وہ کیا کرتا رہتا ہے اندر بیٹھا ہوا اور گھر میں بھی یہی خرابیاں ہیں جو بہت سی بڑی خرابیوں کو جنم دیتی ہیں، پیدا کرتی چلی جاتی ہیں۔ اگر کوئی بیوی خاوند کے نقائص کی جستجو میں رہے تو اس کی زندگی ویسے ہی حرام ہو جاتی ہے۔ وہ سوچتی رہتی ہے خاوند باہر گیا تھا تو پتا نہیں کیا کر رہا ہے وہاں بیٹھا اور کس کے گھر گیا تھا اور کیوں گیا تھا اور ساس بہو کی غلطیوں اور قصوروں کی تلاش میں رہتی ہے۔ بہو بہانے نکالتی ہے کہ کس طرح اپنے خاوند کا دل اس کی ماں سے توڑ کر جدا کرے یہ بتانے کے لئے کہ اس کی ماں یہ یہ کام کرتی ہے۔ یہ جو عادتیں ہیں یہ مہلک ہیں انسانی زندگی کے لئے، انسانی عمل کے لئے مہلک ہیں ان کو یہ وعدہ کیسے خدا دے سکتا ہے۔ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ایسی جنتوں میں ہے عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کہ اس کا پھیلاؤ تمام کائنات کے برابر، اس پر پھیلا پڑا ہے۔ جنہیں گھر کی جنت تو نصیب نہیں ہو سکتی وہ بیچارے باہر کی جنت کا تصور ہی نہیں کر سکتے ان میں اہلیت ہی نہیں پیدا ہوتی، خدا کیسے جھوٹے وعدے کرے گا ان سے۔

اس لئے اگرچہ مضمون پھیلا ہے مگر گھر کے حوالے سے پھر آپ کو یاد کرانا پڑتا ہے کہ عَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ تجسس کے برعکس صورت حال ہے۔ تجسس سے صرف نظر کریں، لوگوں

کے حالات میں ڈوب کر ان کی برائیاں تلاش نہ کریں اور وہ برائیاں جو از خود ابھر کر آپ کے سامنے آتی ہیں جہاں تک ممکن ہے ان سے عفو کا سلوک کریں اور یہ جو کَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ میں مَیں نے کہا تھا اگر وہ اصلاح ممکن ہو تو پھر ایسا کریں وہ عفو کے حوالے سے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ بالکل واضح طور پر بیان فرمادیا ہے۔ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ:41) عفو کرتے ہیں مگر بغیر کسی شرط کے نہیں کرتے۔ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ وہ جس نے عفو اس طرح کیا کہ اس کے نتیجے میں لازماً اصلاح ہوتی ہے اس کا اجر اللہ کے پاس ہے۔ جو عفو اس طرح کرے کہ اصلاح کی بجائے بدی کا حوصلہ بلند ہو جائے اور جرائم زیادہ پھیل جائیں وہ عفو ہرگز خدا تعالیٰ کو پسندیدہ نہیں۔

تو کَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ اور عَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ کا یہ مضمون ہے جو یہاں بیان ہوا ہے کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے اسوہ سے سیکھو۔ آپؐ کا عفو غالب تھا مگر اس شرط کے ساتھ کہ اگر اصلاح ہوتی تھی تو عفو فرماتے تھے، اگر اصلاح نہیں ہوتی تھی تو عفو نہیں فرماتے تھے اور اگر اس پر بنیاد ہے کَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ ہونے کی تو لازماً یہ مضمون وہاں بھی پھیل جائے گا، وہاں تک بھی جا پہنچے گا۔ غصہ ضبط کیا جاتا ہے جہاں تک ممکن ہے کہ غصہ ضبط کرنے سے اصلاح ہو لازم ہے کہ غصہ ضبط کرو اور اگر غصہ ضبط کرنے سے جرم کی حوصلہ افزائی شروع ہو جائے اور بغاوت پھیل جائے تو ایسا غصہ ضبط کرنا تو حد سے بڑی حماقت ہے۔

پس رحمت کے باوجود غصہ ضبط کرنا لیکن رحمت کے تقاضوں کے خلاف غصہ ضبط نہیں کرنا، یہ ہے وہ رحمت کا مضمون جو بڑی وضاحت سے قرآن کریم نے پیش فرمایا اور ایک دوسری آیت کو بھی حل کر دیتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ فرمایا وہ دشمنوں پر اَشِدَّآءُ اس لئے نہیں ہیں کہ وہ سخت گیر لوگ ہیں، بدتمیز اور بدمزاج لوگ ہیں۔ باوجود رحیم ہونے کے پھر بھی اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ہیں اور اس سے بہتر ترجمہ یہ ہوگا کہ رحمت کی وجہ سے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ہیں اور یہی وہ ترجمہ ہے جو اس آیت کے حوالے سے میں کر رہا ہوں یعنی ان کی رحمت کا تقاضا ہے کہ جہاں سختی ہو، سختی کی ضرورت ہو اور سختی کے بغیر اصلاح ہو نہ سکتی ہو اور سختی نہ کی جائے تو نہ اس شخص پر رحم ہے جو بغیر اصلاح کے آزادانہ دندناتا پھرے گا، نہ اس دنیا پر رحم ہے جو اس سے نقصان اٹھائے گی۔ تو کَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ اور عَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ کا یہ مضمون ہے جو

دوسری آیات کے حوالے سے ہم پر کھل جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ خود بھی ایسے تھے، اپنے صحابہؓ کو بھی ایسا ہی بنا دیا یعنی ان لوگوں کا ذکر چل رہا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح: 30) تو قرآن کریم کی جس آیت کی طرف سے بھی آپ داخل ہوں اسی جنت میں داخل ہوتے ہیں جس کے ارض وسماء کائنات پر پھیلے پڑے ہیں۔ اندر وہ ساری چیزیں آپ کو دکھائی دینے لگیں گی اور ہر آیت بنیادی طور پر ایک ہی اصل کے تابع چلتی ہے اور آپس میں آیات کا کوئی تضاد کہیں نہیں بلکہ ایک دوسرے کو سمجھنے میں ممد اور مددگار بن جاتی ہیں۔ پس اس لحاظ سے عَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ کا مضمون سمجھیں اور پھر جو تربیت کی توفیق آپ کو ملے گی وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ سارے بنی نوع انسان کی تربیت کی طاقت رکھے گی۔ اب یہ بات بھی بہت اہم ہے سمجھنے والی کیوں کہ ہر انسان اگر اپنے مزاج کے مطابق تربیت کرے یا اپنے قومی مزاج کے حوالے سے تربیت کرے تو اپنی قوم کا مزاج کسی حد تک درست کرسکتا ہے مگر دوسری قوموں کا مزاج درست نہیں کرسکتا اس کے لئے عالمی مزاج کی ضرورت ہے اور عالمی رسولؐ کے تابع ہو کر عالمی مزاج پیدا کئے بغیر آپ بنی نوع انسان کی بحیثیت بنی نوع انسان تربیت کرنے کے مستحق نہیں ہوسکتے بلکہ آپ کی تربیت نسبتی رہے گی۔ ایک قوم کی تربیت کر رہے ہیں دوسری کی بگاڑ رہے ہیں۔ ایک قوم کا حق ادا کر رہے ہیں دوسرے کا چھین رہے ہیں۔

تو عالمی حوالہ ضروری ہے تربیت کے لئے اور جب عالمی حوالے کی بات کریں گے تو ایک ہی حوالہ ہے یعنی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ جنہوں نے اللہ کے بعد اس دنیا میں اللہ کی ان صفات حسنہ کو اپنا لیا کہ گویا ایک خدا نما وجود بن گئے۔ خدا تو نہیں تھے مگر آپؐ کی صفات میں خدا دکھائی دینے لگا اس لئے آپؐ کی اطاعت لازم ہے۔ ورنہ براہ راست اللہ کی اطاعت کا حکم ہوتا تو بظاہر بہت اچھی بات ہوتی کہ بس اللہ کی اطاعت کرو، کیا پتا اللہ کی اطاعت کیسے ہوتی ہے، کیسے کریں گے؟ ہر شخص اپنے مزاج کے مطابق اللہ کو جو سمجھتا ہے وہی کرتا پھرتا ہے تو قرآن کریم نے یہ احتیاط برتی اور بڑی سختی کے ساتھ اس پر کاربند رہا اور ہمیشہ کے لئے کاربند ہے، اللہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو جوڑا ہے جب بھی اطاعت کی بات ہوئی ہے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ اور یہ بتانے کے لئے کہ تمہیں محمد رسول اللہ ﷺ کو سمجھے بغیر، آپؐ کی صفات پر غور کئے بغیر، آپؐ کے حوالے کے بغیر اللہ کی اطاعت

کا مضمون سمجھ آ ہی نہیں سکتا اس لئے ان سے سیکھو، ان کے پیچھے چلو پھر تم پر ہر مضمون روشن ہو جائے گا خواہ وہ تقویٰ کا ہو، رحمت کا ہو اور بنی نوع انسان سے تعلقات کا مضمون ہو یعنی اس مضمون کو جس دائرے پر پھیلاؤ گے سختی کا مضمون ہو، شفقت اور رحمت کا نرمی کا مضمون ہو ہر مضمون آنحضرت ﷺ کے حوالے سے انسان پر روشن ہوتا چلا جائے گا۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اب متقین سے جو بات شروع ہوئی ہے وہ محسنین پر جا پہنچی ہے۔ متقی میں غلط باتوں سے بچنے کا مضمون زیادہ پایا جاتا ہے یعنی ایک شخص جس سے کسی کو نقصان نہ پہنچے یا جو خود دوسرے سے نقصان نہ اٹھائے۔ محسن کا مطلب یہ ہے کہ وہ احسان کرتا چلا جاتا ہے ہر طرف۔ یعنی نقصان تو درکنار اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچ سکتا مگر محض یہی اس کا تشخص نہیں ہے وہ ایک محسن کے طور پر ابھرتا ہے اور ہر طرف احسان پھیلاتا چلا جاتا ہے اور سراء اور ضراء والے مضمون نے اس احسان والے مضمون کو پہلے ہی کھولا تھا مگر وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ نے اس کو ایک اور عظمت بخش دی۔ فرمایا تم کرو گے جنت کی خاطر، یہ بھی ایک چیز ہے مگر جو اعلیٰ درجے کے مومن ہیں وہ اللہ کی محبت کی خاطر ایسا کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ہمیں تو نیکیوں کا مزہ ہی اس بات میں آتا ہے کہ اللہ کی محبت ملے۔ فرماتے ہیں اگر اللہ کی محبت کا چسکا پڑ جائے تو نیکیوں کی اگر یہ سزا ہوتی کہ اللہ کی محبت تو ملے گی لیکن جہنم کی تکلیفیں بھی ہوں گی تو ہم خوشی سے جہنم قبول کر لیتے۔ پس یہ وہ مضمون ہے جو اپنے معراج کو پہنچایا گیا ہے یہاں۔ متقین سے بات شروع ہوئی، حقوق کی ادائیگی سے بات شروع ہوئی، حقوق تلف نہ کرنے کی بات شروع ہوئی، باوجود تکلیف اٹھانے کے لوگوں پر احسان کی بات شروع ہوئی، یہ سب تقویٰ کی باتیں ہیں یعنی تقویٰ سے پھوٹتی ہیں مگر اس میں حوالہ صرف یہ ہے کہ ہمیں جنت ملے۔ یعنی تقویٰ کی ترقی یافتہ حالتیں ہی احسان ہیں دراصل، مگر حوالہ جنت کا تھا۔ تم چاہتے ہو کہ وسیع جنت مل جائے، ساری کائنات پر پھیلی ہوئی تو، یہ کام کرنا۔ مگر اگر تم آنحضرت ﷺ کی غلامی میں عفو کے اور احسان کے اور برمحل غصے کے اور برمحل سزا کے مضامین سیکھ لو گے اور نیت یہ ہوگی کہ اس سے اللہ کی محبت نصیب ہو تو پھر تم محسن بن جانا یعنی ہمیشہ تمہاری طرف سے لوگوں کو احسان ہی پہنچے تب یاد رکھنا کہ اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے تو یہاں حضور اکرم ﷺ کو ایک محسن اعظم

کے طور پر بھی پیش فرمایا گیا ہے جو دراصل رحمة للعالمین کی ایک دوسری صورت ہے۔

اب میں احادیث کے حوالے سے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کے حوالے سے چند اور باتیں اسی مضمون سے تعلق رکھنے والی کھولتا ہوں۔ مسند احمد سے یہ روائیت لی گئی ہے۔ حضرت معاذ بن انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

''سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ تو قطع تعلق کرنے والے سے تعلق قائم رکھے اور جو تجھے دیتا اسے بھی دے اور جو تجھے برا کہتا ہے اس سے تو درگزر کر''

(مسند احمد بن حنبل، مسند المکیین، حدیث معاذ بن انس الجهنی، حدیث 1591)

یعنی عفو کا مضمون ہے درگزر کرنے کے معنوں میں کہ برا کہتا ہے، بدلہ نہ لو اور برداشت کر جاؤ اور یہ برداشت کرنا عفو کی، یہی انتہائی غصے کو برداشت کرنے کی پہلی منزل بنتا ہے اس کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

''جو تجھے نہیں دیتا اسے بھی دے'' یعنی اپنی عطا کو دوسروں سے لینے کے حوالے سے کبھی نہ باندھو چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو دوسری جگہ کھولا ہے۔ لَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَکۡثِرُ (المدثر: 7) اس وجہ سے کبھی احسان نہ کرو کہ تم زیادہ حاصل کرلو۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مضمون اس طرح بے نفسی کا مضمون ہے کہ خدا سے بھی توقع نہ رکھو بلکہ پھینک دو چیز۔ یہ غلط ہے کیونکہ تَمۡنُنۡ کے بعد تَسۡتَکۡثِرُ کی نہی ہے۔ اللہ پر تو آپ احسان کر ہی نہیں سکتے، ناممکن ہے۔ تو اسی کی عطا کے تابع ہے اس کی عطا سے باہر جا کیسے سکتے ہیں اس لئے اس سے اور بھی مانگیں تو تب بھی آپ اس کی عطا کے نیچے رہیں گے۔ پس جب اللہ فرماتا ہے کہ میری خاطر خرچ کرو گے تو تمہیں زیادہ ملے گا تو اس میں اگر کسی انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ میں خرچ کروں تا کہ اللہ مجھے زیادہ دے تو یہ بد خلقی نہیں ہے۔ لَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَکۡثِرُ سے اس کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔

تَمۡنُنۡ اور تَسۡتَکۡثِرُ سے اگر کوئی اس کو ٹکراؤ دکھائی دے سکتا ہے تو صرف ایک موقع پر۔ ایک انسان کسی پر احسان کرے اور اس وجہ سے صرف کرے کہ اللہ اسے زیادہ دے وہی چیز، تو یہ اعلیٰ درجہ کی نیکی نہیں رہے گی کیونکہ پھر جب خدا اس کو دنیا میں کچھ دے دے گا تو اس کا حساب پورا ہو گیا اس سے بھی زیادہ مل گیا اور بات ختم ہو گئی۔ تو اگر انسان اس وجہ سے خرچ کرے کہ رضائے باری تعالیٰ نصیب ہو تو وہی محسن والا مضمون وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ یہ اس پر صادق آئے گا تو اگرچہ ظاہری

طور پر تو لَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ کا مضمون یعنی احسان نہ کرو، کسی کو ممنون نہ کیا کرو اس نیت سے کہ تم زیادہ لو اس کا پہلا قدم یہ ہے کہ جب تم بنی نوع انسان میں کسی کے ساتھ حسن سلوک کرو، کچھ اسے دو تو ہرگز اس سے زیادہ لینے کی کوئی بھی خواہش تمہارے دل میں نہ ہو۔ نمبر دو، اگر ہو تو اللہ سے لینے کی خواہش ہو کیوں کہ وہ تمہارے زیر احسان نہیں آ سکتا، مَنّ کے نتیجہ میں۔ مَنّ تم نے کسی اور پہ کی ہے، اللہ سے لے رہے ہو یہ جائز ہے، گناہ نہیں ہے مگر اگر نظر مادے پر ہی ٹھہر گئی اور مادی جزا ہی تمہارا مقصود بن گئی تو اتنا ہی ملے گا۔

چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے جو اللہ سے یہ کہتا ہے کہ مجھے اس دنیا کی حسنہ عطا کرے اسے دنیا کی حسنہ ہی ملتی ہے پھر، آخرت کی حسنہ نہیں ملتی اور مومنوں کو یہ سکھایا رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّ فِي الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ: 202) تو کبھی بھی اپنے احسان کو محض مادی فوائد کی توقع سے خواہ وہ خدا سے ہوں باندھا نہ کرو بلکہ اس کو ان سے وابستہ نہ ہی کرو تو بہتر ہے کیونکہ اگر بے تعلق کر لو گے مادی فوائد سے چاہے وہ خدا کی طرف سے عطا ہوں تو پھر تمہاری نظر زیادہ بلند ہو جائے گی اور مادی فوائد تو اللہ نے دینے ہی دینے ہیں اس لئے جو چیز بن مانگے مل جاتی ہے خواہ مخواہ اس میں مانگنے کی ضرورت کیا ہے اس چیز کو مطمع نظر بنانے کی کیا ضرورت ہے جو بغیر مطمع نظر بنائے اللہ نے اپنی طرف سے دے ہی دینی ہے۔ تو اسی لئے جب مومن کسی پر احسان کرتے ہیں اور وہ شکریہ ادا کرتا ہے تو قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ ان کو جواب میں کہتے ہیں کہ ہمارا شکریہ ادا نہ کرو۔ لَا نُرِيۡدُ مِنۡكُمۡ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوۡرًا (الدھر: 10) ہم تم سے نہ جزاء چاہتے ہیں نہ شکریہ چاہتے ہیں کیونکہ یہ ہم نے جو کچھ کیا تھا یہ جزاء کے تصور سے کیا ہی نہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے تصور سے کیا ہے۔ پس رضائے باری تعالیٰ اگر مقصود رہے تو شکریے تو رکنے ہی نہیں ہیں، پھر بھی آئیں گے۔ شکریہ تو کوئی روک نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ بنی نوع انسان کو ہدایت کر دی ہے کہ تم شکریہ ادا کیا کرو۔ اس لئے شکریہ کی مناہی نہیں ہے بلکہ شکریہ تو سکھایا گیا ہے، قبول کرنے کی مناہی ہے کیونکہ جو شکریہ قبول کرتا ہے اس کا نفس موٹا ہو جاتا ہے، اس کی نیت کی پاکیزگی میں فرق آ جاتا ہے اور اسے شکریوں کے ہی چسکے پڑ جاتے ہیں، انتظار کرتا رہتا ہے کہ میں نے یہ کیا تھا ابھی تک شکریہ کا خط نہیں آیا۔ ابھی تک اسے قبول نہیں کیا گیا اور یہ مجھے نہیں پتا چلا کہ

میرے زیر احسان آیا ہے کہ نہیں وہ شخص۔ یہ تصور ہی جھوٹا اور باطل ہے۔ شکریہ سے ایسے بے نیاز ہو جاؤ کہ جس کو اُردو میں یوں ظاہر کیا ہے ''نیکی کر دریا میں ڈال'' اس طرح نیکی کرو کہ گویا دریا میں غرق ہوگئی۔ پتا ہی نہیں پھر وہ گئی کہاں۔ انسانی لاشیں بھی نہیں ملتیں دریاؤں سے بعض دفعہ، نیکیاں کہاں ڈھونڈتے پھرو گے پھر۔ تو یہ وہ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ کا مضمون ہے جس کا اس مضمون سے گہرا تعلق ہے کہ تم جب احسان کرو تو اس احسان کے بدلے میں نہ بندے سے جزاء چاہو، نہ اس لئے احسان کرو کہ اللہ تعالیٰ وہی مادی جزاء تمہیں اس دنیا میں دے دے، نہ اس لئے احسان کرو کہ وہ تمہارا شکریہ ادا کریں اور تمہارے نفس کو مطمئن کریں کہ ایک چیز تمہارے ہاتھ سے نکلی اس کی دوسری قدر تمہارے ہاتھ میں واپس آ گئی۔

پس حقیقت میں شکریہ کا مضمون ذات باری تعالیٰ کی خاطر نیکیوں سے تعلق نہیں رکھتا کیونکہ بنی نوع انسان بسا اوقات صرف اس لئے احسان نہیں کرتے کہ زیادہ ملے، اس لئے کہ ان کی طبیعتوں میں نفاست پیدا ہو چکی ہوتی ہے مادے کے مقابل پر وہ جوابی شکریہ اور جوابی محبت کو زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لئے بظاہر وہ بے لوث خرچ کر رہے ہیں مگر حقیقت میں بے لوث خرچ نہیں کیا کرتے۔ پنجابی کا محاورہ کئی دفعہ میں نے آپ کو سنایا ہے اور اس موقع پر پھر بھی یاد آ جاتا ہے کہ ''ستے پتر دا منہ کی چُمناں'' مائیں کہتی ہیں جب بیٹا سویا پڑا ہے اس کا منہ چوم کے ہم کیوں اپنا وقت ضائع کریں اس کو پتا ہی نہیں لگتا تو ہمیں کیا فرق پڑتا ہے لیکن اللہ کی خاطر ستے پتر کے منہ بھی چومے جاتے ہیں۔

وہ بنی نوع انسان جو غافل ہے محمد رسول اللہ ﷺ اس کے بھی محسن بن گئے، ان کے لئے بھی بے انتہا رحمت بن گئے، ان کے لئے کَاظِمِینَ الْغَیْظَ تھے جو ہر وقت آپؐ کو دکھ پہنچاتے تھے۔ وہ جن کے لئے کَاظِمُ الْغَیْظَ تھے، وہ وہ تھے جو ہر وقت آپؐ کو دکھ پہنچاتے تھے اور رحمت کا جو سلسلہ ہے وہ پھر بھی ان کے حق میں جاری رہا۔ اس طرح جاری رہا کہ ان کے حق میں جب اور کچھ پیش نہیں گئی تو دعائیں کرنا شروع کر دیں۔ اگر عفو نے کام نہیں کیا، اگر درگزر نے کام نہیں کیا، اگر نصیحت نے کام نہیں کیا تو پھر باری تعالیٰ کے حضور جھک گئے۔ کہا اے خدا میں تجھ سے رحمت مانگتا ہوں میرے پیش نہیں جاتی، میرا بس نہیں چلتا۔ تو اس سے بڑا دنیا میں جیسا کہ محاورہ ہے ستے پتروں کے منہ چومنے والا اور ہو کون سکتا ہے، ناممکن ہے۔ مائیں تو پتر کا منہ بھی نہیں چومتیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ تو ان

کے منہ چومتے رہے اپنی رحمت کی وجہ سے جو غفلت میں سوئے ہوئے تھے اور جو آئندہ نسلوں میں کبھی پیدا ہونے تھے مختلف زمانوں میں، مختلف مکانوں میں، مختلف ممالک میں، مختلف رنگ و نسل میں۔ ان کے لئے بے قرار رہے، ان کے لئے دعائیں کرتے رہے تو یہ وہ رحمت کی عالمی حیثیت ہے جس کی جزاء لازماً یہ ہونی چاہئے کہ ایسی جنت کہ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کہ سارے زمین و آسمان پر وہ محیط ہو مگر یہ بھی کافی نہیں ہے کیونکہ یہ کرتے تھے تو رضائے باری تعالیٰ کی خاطر۔ اس لئے وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ سے بہتر کوئی عنوان نہیں ہوسکتا، کوئی نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا۔

پس آنحضرت ﷺ کی پیروی کے نتیجے میں لامتناہی ترقیات کے رستے کھلتے ہیں اور سب سے بڑی جزاء اللہ کی محبت کی جزاء ہے اس سے بڑی اور کوئی جزاء نہیں۔ تو محبت کی خاطر یہ کام کرو گے تو تھکو گے نہیں۔ ایک اور فائدہ اس کا یہ ہے اور اس مضمون پر بھی میں کئی دفعہ روشنی ڈال چکا ہوں مگر جیسا کہ مجھے رؤیا میں بتایا گیا کہ بعض چیزیں ہیں جو تکرار کی خاطر نہیں اصرار کی خاطر کرنی پڑیں گی۔ یعنی تکرار کرتے ہو اگر اس غرض سے کہ تمہارا اصرار ہو کہ تم نے ضرور یہ بات پہنچا کے چھوڑنی ہے تو یہ اصرار جائز اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہے اور اسے تکرار نہیں کہا جاسکتا۔ تو اس پہلو سے میں آپ کو پھر سمجھاتا ہوں کہ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ نے ہمیں کوششوں کو آسان کرنے کی راہ بھی دکھلا دی ہے۔ یہ کام جو بتائے گئے ہیں بڑے مشکل کام ہیں غصے کی حالت میں بھی اپنے دل میں ضبط کرو اور پھر عفو کے تعلق میں بھی اس وقت درگزر نہیں کرنی جب خطرہ ہو کہ یہ درگزر کسی کو باغی بنادے گی۔ کتنے باریک مضامین ہیں اور ہر شخص کی دسترس میں نہیں کہ ان کو پوری طرح سمجھ کر ان کا حق ادا کر سکے اور پھر دقتیں بھی بڑی ہیں اس راہ میں، غصہ برداشت کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ غصے کی حالت میں انسان بے اختیار دوسرے کو گالی دے جاتا ہے، تھپڑ مار دیتا ہے۔ دوسرے دن پھر آ کے معافی بھی مانگنی پڑتی ہے، فون بھی کرنے پڑتے ہیں کہ معاف کرنا کل غصے کی حالت میں ہم سے یہ ہو گیا تھا، اب آپ ہمیں معاف کردیں تو اس سے تو معافی اس وقت مانگی جارہی ہے جب اس کا دکھ کا حال کچھ خود بخود ہی ٹھنڈا پڑ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ غصے کی حالت میں تم معاف کیا کرو، اس وقت کوئی کلمہ نہ نکالا کرو تو کوئی آسان کام تو نہیں ہے مگر محبت ہر مشکل کو آسان کردیتی ہے۔ اگر اللہ کی محبت کی خاطر ہو تو یہ چیزیں آسان ہوں گی۔ اگر جزاء کی خاطر ہوں تو پھر بھی کسی حد تک آسان

ہو جاتی ہیں مگر محبت میں تو کوئی حد ہی نہیں ہے۔ پیار کی خاطر سب سودے آسان ہو جاتے ہیں۔ سب قربانیاں معمولی اور ہلکی دکھائی دیتی ہیں اور اس کے نتیجے میں پھر کوئی چیز بڑی رہتی ہی نہیں خواہ جتنی بڑی قربانی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو عاجزی کا آخری مقام نصیب ہوا ہے۔ آپؐ نے جو کچھ بھی کیا اللہ کی محبت میں کیا اور اللہ کی محبت کی جزاء اتنی زیادہ تھی کہ جو کیا وہ کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا اور جو تکلیفیں اٹھائیں وہ اس محبت کی وجہ سے آسان اور کچھ بھی نہ رہیں، باقی ہی نہ رہیں گویا کہ تو اس لئے جب حضور اکرمؐ راتوں کو کھڑے ہو کر ساری ساری رات خدا سے بخشش طلب کیا کرتے تھے، فضل مانگا کرتے تھے تو یہ مضمون ان کو سمجھ آ ہی نہیں سکتا جو اس محبت کے مضمون اور اس عجز کے مضمون کو نہ سمجھیں جو محبت کے نتیجے میں پیدا ہونا لازم ہے۔ اللہ سے محبت کی خاطر جو کچھ کیا، کیا اور محبت کی جزاء ایسی نازل ہوئی کہ آپؐ کے سارے وجود کو اس نے لپیٹ لیا۔ ساری زندگی محمد رسول اللہ ﷺ کی خدا کی گود میں پلی ہے تو پھر جو کچھ کیا تھا وہ تو لگتا تھا کچھ بھی نہیں ہوا، تکلیف کون سی پہنچی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس مضمون کو یوں بیان فرماتے ہیں:

ابتداء سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا میں مثلِ طفلِ شیر خوار (درثمین: 126)

تو نے تو مجھے گود سے اتارا ہی کبھی نہیں۔ جس طرح ایک دودھ پیتا بچہ ہے وہ ماں کی گود میں رہتا ہے اور وہی اس کی جنت ہے میں اس تیری گود میں پلا ہوں، غیر کے دکھ مجھے پہنچ ہی نہیں سکتے تھے یعنی پہنچے تو بے ضرر ہو کر پہنچے۔ تیری حفاظت میں مجال تھی کسی غیر کی کہ مجھے حقیقی دکھ پہنچا سکے، پہنچاتے رہے مگر تیری محبت ان کو رحمت میں تبدیل فرماتی رہی اور تسکین قلب میں تبدیل فرماتی رہی۔

پس محبت کے مضمون کو سمجھ کر اس راہ میں قدم آگے بڑھائیں گے تو ہر مشکل آسان ہوتی چلی جائے گی اور ہر مشکل کی جزاء ملتی چلتی جائے گی ورنہ غصے کو گھونٹنا بڑا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ مجھ سے ایک شخص نے نفسیاتی نقطہ نگاہ سے یہ سوال اٹھایا تھا کہ اسلام نے جو یہ تعلیم دی ہے تو بڑی مصیبت ہے اس سے تو کئی قسم کی نفسیاتی بیماریاں پیدا ہو جائیں گی کہ تم اپنے غصے ضبط کرو، اپنی خواہشات ضبط کرو۔ تو وہ نفسیات کا ماہر تھا اس نے کہا ہم جانتے ہیں کہ ایسا کرنے سے انسان کو طرح طرح کی نفسیاتی بیماریاں ہو جاتی ہیں۔ میں نے کہا ان کو ہوتی ہیں جو غصے ضبط کرتے ہیں جو

اپنے نفس کی خاطر کچھ کرنے سے محروم رہتے ہیں تو احساس محرومی ہے اور ایک غصہ اتارنے کا موقع ہے مگر مجبوری سے ضبط کیا جاتا ہے اور اترتا نہیں ان کو بیماریاں لگا کرتی ہیں۔ جو بالا رادہ غصہ ضبط کرتے ہیں ان کو بیماریاں نہیں لگا کرتیں۔ پس جو کھولتے رہتے ہیں دل چاہتا ہے کہ غصے کو اتارنے کا موقع ملے تو پھر ہم یوں ڈسیں اور یوں بدلے اتاریں وہ ذہنی مریض ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے اگر نفسیات نے، میں نے کہا، آپ کو یہ پڑھایا ہے تو غلط پڑھایا ہے، بالکل غلط ہے انسانی نفسیات کا یہ نظریہ کہ اپنے شوق سے، دسترس رکھتے ہوئے، چاہتے ہوئے آپ اپنا ہاتھ روک لیں تو آپ نفسیاتی مریض بن جائیں گے۔ نفسیاتی مریض نہیں ہوں گے بلکہ آپ کی نفسیات کو ایک مزید طاقت عطا ہوگی اور انسانی نفس جو بھی جس چیز کا بھی آپ نام رکھتے ہیں وہ ارتقائی منزلیں طے کرتا ہے اس سے۔ اس کو مزید حوصلے ملتے ہیں مگر اس کو چھوڑ بھی دیں تو جو رضائے باری تعالیٰ نصیب ہو رہی ہے اس نے احساس محرومی کون سا رکھا ہے باقی۔ اگر ضبط اللہ کی خاطر ہے اگر کسی نعمت کو حاصل کرنے سے آپ ویسے ہی رک جاتے ہیں خدا کی خاطر، چاہتے ہوئے، دسترس رکھتے ہوئے رک جاتے ہیں اس کی جزاء تو مل گئی ہے اور جزاء اس سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے کیونکہ یہ طوعی زندگی ہے، مجبوری کی زندگی نہیں۔ طوعی زندگی کے مضامین ہی مختلف ہیں جب آپ ایک چیز چھین سکتے ہیں کسی سے اور نہیں چھینتے تو اس سے احساس محرومی نہیں پیدا ہوتا اور اگر اس لئے نہیں چھینتے کہ جو دیکھ رہا ہے آپ کو وہ آپ سے زیادہ پیار کرے گا تو احساس محرومی تو درکنار آپ کو اس کے بالکل برعکس اس چیز سے بڑھ کر پیار اور محبت کی دولت مل جاتی ہے تو آپ کو نفساتی بیماری کس چیز کی لگے گی۔ تو اس قسم کی نفسیاتی بیماریوں کے تصور کو پاؤں تلے پامال کرتے ہوئے محمد رسول اللہ ﷺ کے صراط مستقیم پر آگے بڑھیں اور ایک ایک کر کے یہ اخلاق آنحضرت ﷺ سے سیکھیں جن کی تفاصیل قرآن نے خوب کھول کر بیان کر دی ہیں اور حدیثوں نے بھی اس مضمون کو محفوظ کر دیا ہے، اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین